ایک شہر میں متعدد جمعے ـــ تعداد افراد

بلجیئم سے جناب بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

۱۔ میرے ساتھ ۵۰ کے قریب مسلمان طالب علم رہتے ہیں، جن میں سے بمشکل تین چار لڑکے نماز جمعہ کو جاتے ہیں، باقی حضرات عذر کرتے ہیں کہ ۲ بجے یونیورسٹی جانا ہوتا ہے، واپسی پہ دیر ہو جاتی ہے، اور یہ بات کسی حد تک صحیح بھی ہے۔

جہاں جمعہ پڑھنے کو جاتے ہیں وہ کچھ دور پڑتا ہے، طلبہ کی سہولت کے لیے وہاں جانے کے بجائے اگر ہم یونیورسٹی کے قریب جمعہ کی نماز کا انتظام کر لیں تو کیا جائز ہے۔ کچھ لڑکے مُصر ہیں کہ جمعہ کا الگ انتظام نہ کیا جائے، جمعہ ایک جگہ ہونا چاہیے۔ شرعاً کیا حکم ہے، ایک شہر میں متعدد جمعے جائز ہیں یا نہیں؟

۲۔ جمعہ کی نماز کے لیے کیا کوئی تعداد بھی شرط ہے اور وہ کیا ہے؟

(ملخصاً۔ مورخہ ۲۰ ۲۔ بلجیئم)

الجواب

۱۔ متعدد جمعے: اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر جمعہ ایک جگہ ہو تو سب سے بہتر اور افضل ہے۔ اگر حالات اور وقت کا تقاضا ہو تو ایک قصبہ یا شہر میں ایک سے زیادہ بھی جمعے پڑھے جا سکتے ہیں، حالات اور وقت کا اقتضا اگر وہ ہو، جیسا کہ آپ نے ذکر کیا ہے تو راقم الحروف کے نزدیک، دوسرے جمعے کا انتظام افضل ہی نہیں، دینی فریضہ بھی بن جاتا ہے ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔ کیونکہ ایک جگہ جمعہ پڑھنے کے اصرار پر اگر پچاس میں سے ۴۶ طلباء نماز جمعہ کے شرف بلکہ فرضیت کے تارک ہو رہے ہیں تو یہ بات دینی لحاظ سے بہت سنگین ہے۔

جمعہ سے اصلی غرض: مسلمانوں کی شوکت اور وحدت کو متشکل کرنا، اور مسلمانوں کو ہفتہ وار تعلیم و تربیت کے مواقع مہیا کرنا ہے۔ اگر جمعہ کے متعدد اجتماعات، کسی فرقہ وارانہ ذہنیت کے پیداوار نہیں ہیں بلکہ بعض شرعی مصالح یا انتظامی قسم کی مقتضیات کا نتیجہ ہیں جیسا کہ آپ کے حالات سے مترشح ہوتا ہے تو انھیں ملی انتشار سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت امام ابن حزم اندلسی (ف ۴۵۶ھ / ۱۰۶۴ء) لکھتے ہیں کہ:

حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

جب نماز جمعہ کی اذان ہو جائے تو اس میں شرکت کے لیے جلدی کرو، اللہ تعالیٰ نے اس موقع

پر ایک جگہ یا دو جگہ یا کم و بیش کی قید نہیں لگائی، یہ بات بھی نہیں کہ: رب اسے بھول گیا ہو۔

قال اللہ تعالیٰ اِذَا نُوْدِیَ لِلصَّلٰوۃِ مِنْ یَّوْمِ الْجُمُعَۃِ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ) فلم یقل عزوجل: فی موضع ولا موضعین ولا اقل ولا اکثر (وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا) (محلی ابن حزم ص۵۲)

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (ف ۲۰۴ھ) بغداد میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہاں دو یا تین جگہ پر جمعہ ہو رہا ہے تو آپ نے انکار نہیں کیا تھا۔

واما بغداد فدخلها الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ وھم یقیمون الجمعۃ فی موضعین وقیل فی ثلثۃ فلم ینکر علیھم (روضۃ الطالبین ص۴ ۔ امام نووی)

بعض مصالح کی بنا پر ایک شہر میں متعدد جگہ پر نمازِ جمعہ پڑھنے کی اجازت اسلاف سے مروی ہے

حضرت عطاء ابن ابی رباح سے (ف ۱۱۵ھ) پوچھا گیا کہ اگر مسجد تنگ ہو تو دوسری جگہ جمعہ پڑھا جا سکتا ہے؟ فرمایا: ہاں۔

عن ابن جریج قال قلت لعطاء: أرأیت اھل البصرۃ لا یسعھم المسجد الاکبر کیف یصنعون؟ قال لکل قوم مسجد یجمعون فیہ ثم یجزئ ذلک عنھم (مصنف عبد الرزاق ص۱۷۰)

گو اس پر اعتراض کیا گیا مگر بغیر دلیل ـــــ اصل بات یہ ہے کہ: ان کے ذہن میں یہ بات آگئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عہد میں ایک جگہ، ایک سے زیادہ جمعے منقول نہیں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود یہ کوئی نہیں بتاتا کہ کیا اس کی منع بھی آئی ہے؟ بات بالکل ظاہر ہے کہ: منع منقول نہیں ہے۔ ہمارے نزدیک وہ بھی حالات کا اقتضاء تھا۔ سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ: متعلقہ قصبہ میں، نمازِ جمعہ علاقہ کا حاکم ہی پڑھاتا تھا، یا کوئی عظیم رہنما، اور سب کا اس ایک شخص کے پاس جمع ہو جانا ایک قدرتی بات تھی، یہ بات نہ تھی کہ دوسری جگہ جمعہ جائز نہیں تھا بلکہ بات یہ تھی کہ حالات کا داعیہ ایسا تھا۔ اگر حالات اور وقت کی تبدیلی سے مقتضیات اور دواعی بدل جائیں تو آخر کیا وجہ ہے کہ ان کا احترام نہ کیا جائے۔

وحدتِ جمعہ دراصل "ملی وحدت" کا تقاضا ہے، اگر تعددِ جمعات کسی ذہنی انتشار اور کوڑھ کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ مصالح کے اصرار کا حامل ہے تو یقین کیجیے! ملی وحدت پر اس سے کوئی آنچ نہیں آتی۔ وحدت کا مفہوم یہ نہیں کہ: ظاہری طور پر انہیں ایک جگہ بھیڑ بکریوں کی طرح ٹھونس دیا جائے بلکہ یہ ہے کہ جہاں ہوں ایک ہی مقصد، ایک ہی منزل اور ایک ہی پروگرام کے لیے یکسو ہوں۔

وحدتِ ملی کے جو اصل تقاضے ہیں ان کی طرف کسی کا بھی دھیان نہیں ہے بلکہ جداگانہ ریاستوں یا سیاسی گروپوں کے استحکام کے لیے رات دن جہاد کرتے رہتے ہیں اور کبھی یہ نہیں سوچتے کہ: اس کے بجائے سارے عالمِ اسلام کو ایک نظامِ خلافت کی لڑی میں پرو کر پوری ملتِ اسلامیہ کو ہم ایک وحدت میں منتشکل کر دیں ــــ لیکن جو کوئی اٹھتا ہے، وہ اسلامی احکام کی وسعتوں کو سمیٹنے پر تل جاتا ہے اور مصنوعی وحدت کے لیے سر پھٹول کر کے ملت کو مزید انتشار میں مبتلا کر کے رکھ دیتا ہے۔

قرآن و حدیث میں کہیں بھی متعدد جمعات کی ممانعت مذکور نہیں ہے۔ اگر ایک شہر میں متعدد جمعوں کا وجود کم دکھائی دیتا ہے تو صرف اس لیے کہ اس وقت حالات کا یہی تقاضا تھا۔ ایک ہی خلافت تھی، ایک ہی امیر تھا اور میر کارواں بھی ایک ہی امام تھا اور آبادی بھی اس کی متحمل تھی کہ ایک ہی جگہ اسے سمیٹا جا سکتا تھا۔ مگر اب ان میں سے بیشتر قدریں بالکل بدل گئی ہیں۔ اس لیے اب محض مصنوعی وحدت کے لیے نوخیز نسل کے دینی مستقبل کو ضائع کرنا مناسب نہیں ہے۔

حضرت امام ابنِ تیمیہؒ (ف ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تعددِ جمعہ کا حکم دیا تھا:

ولنا ما صح عن امیر المومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ امر بتعدد الجمعة وھذا الاثر صحیح. صححه ابن تیمیة فی منهاج السنة (رسائل الارکان ص ۱۱۸۔ فتاویٰ اہلحدیث ص ۲۵۱/۲)

ظاہر ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے بطور مشغلہ کے اختیار نہیں کیا ہو گا بلکہ حالات کا اقتضا ہی ایسا ہو گا۔ اس لیے ہم سمجھتے ہیں کہ پہلے اگر متعدد جمعہ کی مثالیں نہیں ملتیں تو اس لیے نہیں کہ وہ جائز نہیں تھا بلکہ اصل بات یہ تھی کہ اس کے لیے کوئی داعیہ موجود نہ تھا۔ اب اگر حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں تو ضرور ان کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۲۔ تعدادِ افراد: اس کے لیے کچھ بزرگوں نے تعدادِ افراد کا ذکر کیا ہے لیکن قرآن و حدیث میں اس کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ جن روایات میں واقعہ کے طور پر بعض جگہ اس کا ذکر آیا ہے کہ وہاں شرکاء کی تعداد اتنی تھی ــــ لیکن وہ ایک واقعہ کا ذکر ہے، شرائط کا نہیں ہے۔ اس کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ نماز باجماعت ہو سکے۔

زندگی میں جائداد ورثاء میں تقسیم اور کسی وارث کو عاق کرنا: عنوان بالا دو اہم مسائل پر مشتمل ہے ایک یہ کہ عین حیات کیا جائیداد کی تقسیم ورثہ کی تقسیم کی طرح کم و بیش ہونی چاہیئے یا اس میں انصاف ضروری ہے، دوسرا یہ کہ کیا کسی جائز وارث کو جائداد سے محروم رکھنے کی وصیت کی جا سکتی ہے اور اس پر عمل جائز ہو گا؟ زیرِ بحث فتویٰ صرف دوسرے مسئلہ سے متعلق ہے اور اسی سلسلہ میں شرعی رائے پیش کی گئی ہے۔ (مدیر)